القواعد فی العقائد

ازافادات:متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

سرپرست: مرکز اہل السنۃ والجماعۃ،87جنوبی،لاہور روڈ سرگودھا
بانی وامیر: عالمی اتحاد اہل السنت والجماعت
چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز
چیئرمین: احناف ٹرسٹ
www.ahnafmedia.com

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○﴾

زمانے کی قسم بے شک وہی انسان کامیاب ہے جس کا عقیدہ درست ہو، عمل سنت کے مطابق ہو، صحیح عقیدہ اور سنت عمل کی تبلیغ واشاعت بھی کرتا ہو اور اگر اس تبلیغ واشاعت پر مصائب وپریشانیاں آئیں تو ان پرصبر بھی کرتا ہو۔

شریعت کے اجزاء:

شریعت کے دو جزو ہیں:

اعتقادی اور عملی:

اعتقاد اصل ہے، عمل فرع ہے۔ صحیح اعتقاد کے بغیر آخرت کے عذاب سے نجات ممکن نہیں جبکہ عمل صالح کے بغیر نجات کی امید ہے، البتہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرمادیں اور چاہیں تو قانونِ عدل سے سزا دیں۔ عقیدہ ایک بھی خراب ہو تو اسلام کی ساری عمارت خراب ہو جاتی ہے۔

اِنَّ الْعَقَائِدَ كُلَّهَا اُسٌّ لِّاِسْلَامِ الْفَتٰى
اِنْ ضَاعَ اَمْرٌ وَّاحِدٌ مِّنْ بَيْنِهِنّ فَقَدْ
غَوٰى

ترجمہ: ”تمام عقائد انسان کے اسلام کی بنیاد ہیں، اگر ان میں سے ایک چیز بھی ضائع ہو جائے تو انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔“

خِشْت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

ترجمہ: ”اگر معمار پہلی اینٹ کو ٹیڑھا رکھے تو دیوار ثریا ستارے تک ٹیڑھی جاتی ہے۔“

فائدہ: شریعت کے بنیادی اجزاء دو ہی ہیں؛ عقائد اور اعمال۔ ایک تیسری چیز ”خلق“ ہے، یہ دراصل نظریات کا حصہ ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ اعمال ہوتے ہیں، گویا ”خلق“ نظریات سے الگ نہیں اور شریعت کے اجزاء کو دو میں تقسیم کرنا اس معنیٰ میں درست ہے۔

خلق کی تعریف:

باطن کی وہ کیفیت جو انسان کو عمل پر برانگیختہ کرے اسے ”خلق“ کہتے ہیں۔ اگر کیفیت اچھی ہو تو اعمال اچھے اور اگر کیفیت بری ہو تو اعمال بھی برے۔

مثالیں ۱: ”حیاء“ باطنی کیفیت ہے جو کہ ”خلق“ ہے اور ”غضِ بصر“ اس کا نتیجہ ہے، جو کہ ”عمل“ ہے۔

۲: ”سخاوت“ باطنی کیفیت ہے جو کہ ”خلق“ ہے اور ”انفاق“ اس کا نتیجہ ہے، جو کہ ”عمل“ ہے۔

۳: ”شجاعت“ باطنی کیفیت ہے جو کہ ”خلق“ ہے اور ”قتال“ اس کا نتیجہ ہے، جو کہ ”عمل“ ہے۔

فائدہ: جس علم میں عقائد سے بحث ہو اسے ”علم العقائد“ کہتے ہیں اور جس میں اعمال اور احکام سے بحث ہو اسے ”علم الفقہ“ کہتے ہیں۔

عقیدہ اور عمل میں فرق:

فرق نمبر ۱: عقیدہ اصل ہے اور عمل فرع ہے، جو فرق اصل اور فرع میں ہے وہ عقیدہ اور عمل میں ہے۔ چنانچہ عقیدہ کی مثال عدد کی ہے جو اصل ہے اور عمل کی مثال صفر کی ہے جو کہ فرع ہے۔ عدد اور صفر میں چند فرق ہیں۔

۱: عدد ایک بھی ہو تو قیمتی ہے اور صفریں دس بھی ہوں تو قیمت کچھ بھی نہیں۔

۲: ایک عدد کے ساتھ صفر لگاؤ تو دس، دو صفریں لگاؤ تو سو......الخ، عدد آیا تو صفر کی قیمت بن گئی اور صفر کے آنے سے عدد کی قیمت بڑھ گئی۔ تو عقیدہ آنے سے عمل کی قیمت بنتی ہے اور عمل آنے سے عقیدہ کی قیمت بڑھتی ہے۔

۳: صفر کو دائیں کی بجائے عدد کے بائیں جانب لگائیں تو قیمت نہیں بڑھتی، اسی طرح عمل کی قیمت بھی اس وقت ہوتی ہے جب اپنے مقام پر ہو، اگر مقام بدل جائے تو عمل بے قیمت ہو جاتا ہے۔ مثلاً دعاء اگر نماز جنازہ کے فورا بعد مانگیں تو بے قیمت ہے اور اگر دفن کے بعد قبر پر مانگیں تو مقبول ہے، کیونکہ اپنے مقام پر ہے۔

فرق نمبر ۲: عقیدہ کا محل ''دل'' اور اعمال کا محل ''بدن'' ہے، جو فرق دل اور بدن میں ہے وہی عقیدہ اور عمل میں ہے اور یہ دو فرق ہیں:

۱: جو چیز جتنی قیمتی ہو اس کے رکھنے کا محل بھی اتنا محفوظ ہوتا ہے اور جو اس سے نسبتاً کم ہو اس کے رکھنے کا محل بھی نسبتاً کم محفوظ ہوتا ہے۔ عقیدہ چونکہ زیادہ قیمتی تھا اس کا محل دل کو بنایا، عمل نسبتاً کم قیمتی تھا اس کا محل اعضاء بدن کو بنایا۔

۲: اعضاء جسم میں سے بعض کٹ جائیں تو بندہ زندہ رہتا ہے اور قلب کے بعض اجزاء کٹ جائیں تو بندہ مر جاتا ہے، اسی طرح اگر کچھ اعمال چھوٹ جائیں تو بندہ با ایمان ہوتا ہے اگرچہ فاسق ہے، لیکن اگر بعض عقائد ختم ہو جائیں تو ایمان ختم ہو جاتا ہے اور بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

فائدہ: علم العقائد کا نام ''علم الکلام'' بھی ہے، یا تو اس وجہ سے کہ علم الکلام میں زیادہ تر بحث کلام باری تعالیٰ سے ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ علم الکلام میں جب بھی کسی مسئلہ پر بحث ہوتی ہے تو متکلمین کہتے ہیں ''اَلْکَلَامُ فِيْ کَذَا''

ائمہ علم الکلام

مشہور ائمہ علم الکلام دو ہیں:

امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الحنبلیؒ:

آپؒ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی اولاد میں سے تھے، 260 ہجری میں پیدا ہوئے، بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا، بعد میں ان کی والدہ کا نکاح مشہور معتزلی ''ابو علی جُبّائی'' (م303ھ) سے ہو گیا۔ آپ نے ''فن مناظرہ اور علم الکلام'' ابو علی جُبّائی کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا لیکن نہایت سلیم الطبع اور سلیم الفطرت ہونے کی وجہ سے معتزلہ کی رکیک اور بعید از عقل تاویلات کی وجہ سے مسلک اہل السنت والجماعت کو قبول کیا اور تاحیات عقائد اہل السنت والجماعت کے اثبات اور معتزلہ کی تردید میں دلائل دیتے رہے۔ فروع میں امام احمد بن محمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے۔ تین سو (300) کے قریب کتب تصنیف فرمائیں جیسا کہ امام الزرکلیؒ نے الاعلام 5/69 میں ذکر کیا ہے چند مشہور کتب یہ ہیں:

الفصول، الموجز، کتاب فی خلق الاعمال، کتاب فی الاستطاعة، کتاب کبیر فی الصفات، کتاب فی جواز رؤیة الله بالابصار، کتاب فی الرد علی المجسمة، مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین، کتاب فی الرویة، مختصر مدخل الی الشرح والتفصیل وغیرہ۔ آپؒ نے 324 ہجری میں انتقال فرمایا۔

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفیؒ:

آپؒ ماوراء النہر سمرقند کے ایک گاؤں ''ماترید'' میں پیدا ہوئے۔ معتزلہ کا شدت کے ساتھ رد کرنے کی وجہ سے ابو الحسن اشعریؒ کے بعض وہ افکار جن کا دفاع کرنا ادلہ شرعیہ کی روشنی میں مشکل تھا، کی اصلاح فرمائی اور معتزلہ کی تردید اور اہل السنۃ والجماعۃ کے افکار کی تائید میں راہِ اعتدال اختیار فرمائی۔ فروع میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد تھے۔ ''تاویلات اہل السنۃ والجماعۃ'' کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی تحریر فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد کتب تصنیف فرمائیں، جن میں کتاب التوحید، کتاب رد اوائل الادلة للکعبی، کتاب بیان وهم المعتزلة، کتاب المقالات، کتاب رد

و عید الفساق للکعبی، کتاب رد تهذیب الجدل ، کتاب رد الاصول الخمسه للباهلی ، کتاب رد الامامة لبعض الروافض، کتاب الرد علی اصول القرامطة، کتاب الجدل وغیرہ شامل ہیں۔آپ محدث زمانہ امام طحاویؒ کے ہم عصر تھے۔333ہجری میں وفات پائی۔

فائدہ: اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مابین لگ بھگ تیس یا پینتیس مسائل میں اختلافات ہیں،ان میں سے اکثر اختلافات نزاع لفظی کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً:

1: امام ابوالحسن اشعریؒ کے نزدیک صفت تکوین، صفت قدرت کے تحت داخل ہے اور امام ابومنصورؒ کے نزدیک صفت تکوین مستقل ایک صفت ہے۔

2: اشعریؒ تکفیر اہل قبلہ سے احتراز کرتے ہیں' جبکہ ماتریدیہ اس کے قائل ہیں۔

3: اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز قبیح نہیں ہوتی اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو عقل انتہائی قبیح سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہوتی۔

4: اشاعرہ کے ہاں اللہ تعالیٰ کا فعل معلل بالغرض نہیں ہوتا جبکہ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی تفضلاً مصلحت کی رعایت فرماتا ہے۔

5: اشاعرہ کہتے ہیں کہ ایسا فعل جس میں حکمت ومصلحت ہو مثلاً رسولوں کا بھیجنا وغیرہ'اس کا صدور اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبیح چیز ہوتی ہی نہیں سب خیر و مصلحۃ ہوتی ہے تو وجوب کیسا؟ جبکہ ماتریدیہ (تفضلاً) وجوب کے قائل ہیں۔

(النبراس شرح شرح العقائد ص22)

فرقہ معتزلہ کی ابتداء:

حضرت امام حسن بصری (م110ھ) کی درس گاہ کے ایک شاگرد ''واصل بن عطاء'' (م131ھ) نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ مرتکب کبیرہ (کبیرہ گنا کا ارتکاب کرنے والا) ایمان سے نکل جاتا ہے، مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا، تو امام حسن بصریؒ نے فرمایا: ''هٰذَا الرَّجُلُ قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا'' (یہ شخص ہم سے جدا ہو گیا) اب جو شخص اس کی اتباع کرتا وہ خود کو معتزلی کہتا اور معتزلی کا معنی یہ لیتا کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے باطل عقائد سے الگ ہیں۔اسی وجہ سے تفسیر کشاف کے مصنف جاراللہ زمخشری نے اپنی کنیت ''ابوالمعتزلہ'' رکھی۔ (النبراس مع شرح العقائد ص20)

عقائد کی اقسام:

جو عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب میں مذکور ہیں،ان کی تین قسمیں ہیں:

1: جو دلائل قطعیہ نقلیہ سے ثابت ہوں۔ان کی تین قسمیں ہیں:

i- جن کا ثبوت قرآن کریم کی ظاہری عبارت سے ہو جیسے جنت، جہنم وغیرہ۔

ii- جن کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنقل تواتر ہو، خواہ تواتر لفظی ہو جیسے ختم نبوت یا تواتر معنوی ہو جیسے عذاب قبر وغیرہ۔

iii- جن کا ثبوت اجماع امت سے ہو جیسے خلافت صدیق اکبرؓ وغیرہ۔

2: جو دلائل عقلیہ سے ثابت ہوں، اگرچہ ان کی تائید دلائل نقلیہ سے بھی ہو، جیسے ثبوت باری تعالیٰ، ثبوت نبوت، مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام وغیرہ۔

3: جو اخبار آحاد یا قرآن وحدیث سے بطریق استنباط ثابت ہوں جیسے قرآن کریم کا قدیم ہونا، فرشتوں پر انبیاء علیہم السلام کی فضلیت اور کرامات اولیاء کا برحق ہونا وغیرہ۔

عقیدہ نمبر 1: توحید باری تعالیٰ:

توحید باری تعالیٰ کے متعلق تین باتیں قابل فہم ہیں۔

1: ذاتِ باری تعالیٰ 2: صفاتِ باری تعالیٰ 3: اسماءِ باری تعالیٰ

1: ذاتِ باری تعالیٰ:

ذات باری تعالیٰ کے بارے میں پانچ بنیادی باتیں سمجھنا ضروری ہے۔

ا: اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔"(سورۃ اخلاص:1)

۲: اول و آخر ہے "هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ"(سورۃ حدید:2)

فائدہ: اول سے مراد حقیقی اول ہے جس کے لئے ابتداء نہیں اور آخر سے مراد حقیقی آخر ہے جس کے لئے انتہاء نہیں۔

فائدہ: قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی اول بھی ہیں اور نبی آخر بھی۔ جیسے پرکار کو رکھ کر دائرہ لگایا جاتا ہے تو جس نقطے پر پرکار کا سرار کھا جاتا ہے اسے "مرکز دائرہ" کہتے ہیں اور جو دائرے کا خط ہوتا ہے اسے "محیط دائرہ" کہتے ہیں مرکز دائرہ لگتا تو پہلے ہے لیکن ظاہر بعد میں ہوتا ہے، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام سے لےکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام "محیط دائرہ نبوت" ہیں اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم "مرکز دائرہ نبوت" ہیں۔ تو آپ علیہ السلام کا وجودِ نبوت سب سے پہلے تھا اور ظہورِ نبوت سب سے آخر میں ہے۔

۳: اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے کیونکہ اگر قدیم نہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عدم سے وجود میں آنے کے لیے وہ کسی ایسی چیز کے محتاج تھے کہ وہ ملی ہے تو وجود ملا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی چیز کے محتاج نہیں۔

۴: "[اَللّٰهُ تَعَالٰی]لَيْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا طَوِيْلٍ وَلَا عَرِيْضٍ وَلَا يَشْغُلُ الْاَمْكِنَةَ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِّنَ الْجِهَاتِ السِّتِّ۔"(دفع شبہ التشبیہ لامام ابن الجوزی ص107)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں، نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کرسکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہاتِ ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے۔

۵: اللہ تعالیٰ موجود بلا مکان ہے۔

2: صفات باری تعالیٰ:

صفات کی دو قسمیں ہیں:

[۱] : محکمات [۲] : متشابہات

صفات محکمات: وہ ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ۔

صفات متشابہات: یہ وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

صفات محکمات کی اقسام:

صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: 1:صفات ذاتیہ 2:صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ:

جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالی موصوف نہ ہو سکے اور یہ سات ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔

حیات: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (سورۃ بقرہ:255)

فائدہ: اللہ تعالی کی حیات ازلاً، ابداً وحیات کل شئی بہ مُوَبدًا ہے۔

سوال: مماتی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننا شرک ہے کیونکہ اس سے اللہ کی صفت "حیی" میں شراکت لازم آتی ہے کہ نبی بھی زندہ اور اللہ بھی زندہ۔

جواب: شراکت لازم نہیں آتی، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور اللہ کی حیات میں دو فرق ہیں:

۱: نبی کی حیات ازلی نہیں ہے، ابدی ہے جب کہ اللہ تعالی کی حیات ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے اور یہ ابدی حیات جنت میں ہر مسلمان کو حاصل ہو گی۔

۲: نبی کی حیات انقطاع کے ساتھ ہے جبکہ اللہ کی حیات بغیر انقطاع کے ہے۔

علم: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔" (سورۃ آل عمران:29)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

قدرت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔" (سورۃ بقرہ:20)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

فائدہ: قدرت کا تعلق "ممکنات" کے ساتھ ہوتا ہے، واجبات و محالات کے ساتھ نہیں، کیونکہ واجب و محال میں اپنے ماسوٰی کی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، جیسے سورج ہر چیز کو گرم کرتا ہے مگر وہ سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون، جولائی میں دوپہر بارہ بجے بھی ٹھنڈا ہی رہتا ہے۔

فائدہ: واجب الوجود وہ ہے جس کا وجود عقلاً لازم اور عدم محال ہو، جیسے ذات وصفاتِ باری تعالیٰ اور محال وہ ہے جس کا وجود عقلاً ناممکن ہو جیسے اجتماع نقیضین۔

ارادہ: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔" (سورۃ بروج:16)

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے۔

سمع: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔" (سورۃ بقرہ:256,224)

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بصر: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "إِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ۔" (سورۃ ملک:19)

ترجمہ: بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

کلام: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "يٰمُوْسٰى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ۔" (سورۃ اعراف:144)

ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی سے لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔

فائدہ: کلام اللہ تعالی کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ ازل سے قائم ہے جسے "کلامِ نفسی" کہتے ہیں اور کلام اصل میں "کلامِ نفسی" ہی ہوتا ہے، کلامِ لفظی اس کلامِ نفسی پر دلالت کرتا ہے۔

إِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ وَإِنَّمَا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ

دَلِيْلًا

ترجمہ: کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کی اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے۔

کلامِ نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالی نے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالی کا کلامِ نفسی بھی قدیم ہے اور اس پر الفاظ و حروف کا لباس بھی قدیم ہے، ہاں البتہ مخلوق کا اس کو قراۃ و کتابت کرنا حادث ہے۔

صفاتِ فعلیہ: جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو سکے لیکن اس کا تعلق اللہ کے غیر کے ساتھ ہو جیسے احیاء، اماتت، اھداء، اضلال، اعزاز، اذلال وغیرہ۔

فائدہ 1: صفات باری تعالی قدیم ہیں جیسے ذات باری تعالی قدیم ہے مثلاً جب مخلوق نہیں تھی اللہ تب بھی خالق تھے، اللہ کا خالق ہونا وجودِ مخلوق پر موقوف نہیں البتہ مخلوق کا وجود اللہ تعالی کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ صفتِ خلق کا وجود اور ہے اور اس کا ظہور اور ہے یعنی صفتِ خلق کا وجود مخلوق کے موجود ہونے سے پہلے تھا البتہ اس کا ظہور مخلوق کے وجود کے ساتھ ہوا ہے۔

فائدہ 2: صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے "عین" کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو "غیر" کہتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ عینِ ذاتِ باری اس لئے نہیں کہ صفت، ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لئے نہیں کہ صفت تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے اور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور ذات باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لئے نہیں کہ اللہ تعالی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

متشابہات کی اقسام:

1: غیر معلوم المعنی و غیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات۔

2: معلوم المعنی و غیر معلوم المراد جیسے: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (سورۃ حدید؛4)

فائدہ: "المعنی" سے "لغوی معنی" اور "المراد" سے "مراد شرعی" مراد ہے۔

فائدہ: لغوی و اصطلاحی معنی کا مطلب:

لغوی معنی: لفظ کا اصلی معنی جو اہل زبان مراد لیتے ہیں۔

اصطلاحی معنی: لفظ کا وہ معنی جو اہل زبان یا اہل علاقہ یا اہل فن مراد لیتے ہیں۔ مثلاً "اَطْوَلُ یَدًا" کا لغوی معنی "لمبے ہاتھ والا ہونا" ہے، لیکن اہل زبان اس سے وصفِ سخاوت مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:

اَسْرَعُكُنَّ بِیْ لِحَاقًا اَطْوَلُكُنَّ یَدًا (صحیح مسلم: ج2 ص291 باب فضائل زینب ام المومنین رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: میری وفات کے بعد تم میں سے سب سے پہلے اس بیوی کی وفات ہو گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔

اس سے مراد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ وہ سخاوت میں ممتاز تھیں۔

فائدہ: قرآن کریم میں اللہ تعالی کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں جو بظاہر صفتیں نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان کے بارے میں تین موقف ہیں۔

موقف نمبر 1: متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف "اَلتَّفْوِیْضُ مَعَ تَنْزِیْهِ اللهِ تَعَالٰی عَنْ مُّشَابَهَةِ الْمَخْلُوْقَاتِ" ہے یعنی یہ کلمات صفات متشابہات ہیں، ان کلمات متشابہات کا معنی ہمیں معلوم نہیں، ہم ان کے معانی و مفاہیم کو اللہ تعالی کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالی کے لئے ید، عین، ساق وغیرہ صفات ثابت ہیں مگر مخلوق وغیرہ کی مشابہت سے پاک ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

"فَمَا ذَكَرَ اللهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالْعَيْنِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ وَلَا يُقَالُ اِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ اَوْ نِعْمَتُهُ لِاَنَّ فِيْهِ اِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْقَدْرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهُ صِفَتُهُ بِلَا كَيْفٍ۔"(الفقہ الاکبر مع الشرح ص37,36)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو "وجہ، ید اور عین" کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کی صفات ہیں اور نہیں کہنا چاہیے کہ "ید" سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے' کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے' (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ید اس کی صفت بلا کیف ہے۔

موقف نمبر 2: متاخرین اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ہم ان کے معانی میں مناسب تاویل درجہ ظن میں کرتے ہیں۔

سوال: صفات میں تاویل تو معتزلہ کا قول ہے جیسا کہ امام صاحب سے "الفقہ الاکبر" میں منقول ہے۔

جواب: معتزلہ درجۂ یقین میں جبکہ متاخرین درجۂ ظن میں تاویل کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1: متقدمین اور متاخرین کے مابین نزاع لفظی ہے کیونکہ متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مؤول کو درجہ یقین میں قبول نہیں کرتے' جبکہ متاخرین اہل السنۃ معنیٔ مؤول کو درجہ ظن میں قبول کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2: متاخرین نے یہ موقف عوام الناس کو اہل بدعت (مجسمہ) کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کیا، کیونکہ اہل بدعت (مجسمہ) ظاہر الفاظ سے عوام کو دھوکا دیتے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء کو ثابت کرتے تھے۔ چنانچہ امام ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

"هٰذَا التَّاوِيْلُ لِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ الْجِسْمِيَّةِ وَهُوَ يُمْكِنُ اَنْ يُّرَادَ وَلَا يُجْزَمَ بِاِرَادَتِهٖ"

(المسایرۃ مع المسامرۃ لابن الہمام ص48 الاصل الثامن)

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے' عوام کی فہم کو "عقیدہ تجسیمیت" سے بچانے کے لئے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

فائدہ نمبر 3: بوقتِ ضرورت متشابہات میں تاویل کرنا متاخرین سے ہی نہیں بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین سے بھی ثابت ہے۔ جیسے: "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ" کا معنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ "عَنْ شِدَّةٍ" فرماتے تھے۔

(فتح الباری: ج13 ص524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ)

فائدہ نمبر 4: سلف سے مراد 300 ہجری کے آخر تک کے محققین ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"فَالْحَدُّ الْفَاصِلُ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَاَخِّرِ هُوَ رَأْسُ سَنَةِ ثَلَاثِ مِاَةٍ۔"

(میزان الاعتدال للامام الذہبی: ج1 ص48، مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: متقدمین و متاخرین کے درمیان حدِ فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے۔

موقف نمبر 3: غیر مقلدین کا موقف ہے کہ ید، عین، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ (عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی: ص177 تا 183)

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

1: اَللّٰهُ الصَّمَدُ (سورۃ اخلاص: 2)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

صمد کہتے ہیں:"[اَلَّذِیْ]لَا یَحْتَاجُ اِلٰی اَحَدٍ وَیَحْتَاجُ اِلَیْہِ کُلُّ اَحَدٍ"

(تفسیر المدارک للامام النسفی ج2ص842تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہیں۔

2: متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

ا: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الٓمٓ، حٰمٓ، نٓ وغیرہ۔

۲: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے "ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۔"(سورۃ حدید:4)

اگر ہم ان کلمات ید، عین وغیرہ سے اعضاء مجہول الکیفیۃ مراد لیں تو متشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجہول الکیفیۃ لازم آئے گی' جبکہ متشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزمِ باطل بھی باطل ہوتا ہے۔(حوالہ؟؟؟؟؟)

3: معنی جنس، نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔"ید" جو کہ اسم جنس ہے کا معنی "جارحہ" ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے۔ اگر ید اللہ سے بھی یہی معنی مراد ہو تو اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔

4: ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجہول الکیفیۃ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجہول الکیفیۃ نہیں بلکہ معلوم الکیفیۃ ہے۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو چیز مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔

5: اگر صفات کے لئے کیفیات ثابت کر دی جائیں اگرچہ مجہول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم لازم آئے گا' کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔

چنانچہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

"فَاِنَّ الَّذِیْ یَجِبُ عَلَیْنَا وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّعْلَمَہٗ اَنَّ رَبَّنَا لَیْسَ بِذِیْ صُوْرَۃٍ وَلَا ھَیْئَۃٍ فَاِنَّ الصُّوْرَۃَ تَقْتَضِی الْکَیْفِیَّۃَ وَھِیَ عَنِ اللہِ وَعَنْ صِفَاتِہٖ مَنْفِیَّۃٌ۔"(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2ص21، باب ما ذکر فی الصورۃ)

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے' وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اس کیفیت کی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے نفی کی گئی ہے۔

اشکال: امام مالکؒ سے جب استواء کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ مَجْھُوْلٌ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ۔

(شرح العقیدہ الطحاویہ لابن ابی العز ج1ص188' الرد علی الجہمیۃ لابن مندہ: ص104)

ترجمہ: استواء معلوم ہے' کیفیت مجہول ہے' اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے استواء ثابت کر کے مجہول الکیفیت قرار دیا ہے لہٰذا صفات باری کے حقیقی معنی مراد لے کر مجہول الکیفیت قرار دینا درست ہے۔

جواب: یہ مقولہ امام مالکؒ سے ثابت ہی نہیں۔

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات ج2ص151)

امام بیہقیؒ نے کتاب الاسماء والصفات ج2ص150 اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری ج13ص498 باب وکان عرشہ علی الماء میں بسند جید امام

مالکؒ کا صحیح قول نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالکؒ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور امام مالکؒ سے کہنے لگا:

يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ ! اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ، كَيْفَ اسْتِوَاءُهٗ ؟

اے ابو عبد اللہ! رحمن عرش پر مستوی ہے، اس کا استواء کیسے ہے؟

ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے سر جھکا لیا اور آپ کو پسینہ آ گیا۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ لَا يُقَالُ كَيْفَ ؟ وَ كَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوْعٌ

رحمن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے، یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ (یعنی کیفیت کی نفی کی جائے) اور اللہ سے کیفیت مرفوع ہے (یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا)

اسی طرح امام ابو بکر بیہقیؒ اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ولید بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے کہ امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام لیث بن سعدؒ سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے فرمایا:

اَمِرُّوْهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ

ترجمہ: یہ احادیث جیسے آئی ہیں ویسے بیان کرو کیفیت کے بغیر۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2 ص198، فتح الباری لابن حجر ج13 ص498 باب و کان عرشہ علی الماء)

تو امام مالک سے مروی درج بالا روایات میں "کیف" کی باقاعدہ نفی ہے۔

اشکال: جب اللہ تعالیٰ مشابہاتِ مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن وحدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں؟

جواب: علامہ ابن جوزیؒ نے "دفع شبہ التشبیہ" میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے بغیر اپنے الٰہ کو سمجھتے نہیں تھے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے عرض کیا تھا: اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (سورہ اعراف 138) کہ ہمارے لئے بھی معبود بنایئے جس طرح ان کے معبود ہیں، اور مشرکین کے سوال "اللہ تعالیٰ کیا ہے؟" کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ٥ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ کہہ دیجئے! اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔

اگر اس وقت ان کلمات کو ذکر کئے بغیر کہا جاتا: "اَللّٰهُ لَيْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا طَوِيْلٍ وَلَا عَرِيْضٍ وَلَا يَشْغُلُ الْاَمْكِنَةَ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتَّةِ۔" (اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ جوہر، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہات ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے) تو عام آدمی سمجھ نہ سکتا۔

(دفع شبہ التشبیہ للامام ابن الجوزی: ص107)

مسئلہ استواء علی العرش

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک "استواء علی العرش" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور قرآن مجید میں اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

فَاَمَّا الْاِسْتِوَاءُ فَالْمُتَقَدِّمُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا كَانُوْا لَا يُفَسِّرُوْنَهٗ وَلَا يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2 ص150)

ترجمہ: "رہا استواء کا مسئلہ تو ہمارے متقدمین حضرات نہ اس کی تفسیر کرتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی کلام فرماتے تھے۔"

جبکہ غیر مقلدین کے ہاں استواء علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حساً فوق العرش ہونا مراد ہے۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی: ص219، آیئے عقیدہ سیکھئے از طالب الرحمن شاہ ص39)

فائدہ: اللہ تعالیٰ موجود بلا مکان ہے

اگر کوئی شخص سوال کرے ''اَیْنَ اللہُ؟'' (اللہ کہاں ہے؟) تو اس کا جواب یہ دینا چاہیے: ''ھُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا مَکَانٍ'' کہ اللہ تعالیٰ بغیر مکان کے موجود ہیں۔ یہ اہل السنت والجماعت کا موقف ونظریہ ہے جس پر دلائلِ عقلیہ ونقلیہ موجود ہیں:

فائدہ: ''ھُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا مَکَانٍ'' یہ تعبیر اہل علم حضرات کی ہے، اسی لیے طلبہ کو سمجھانے کے لیے ''اللہ تعالیٰ بلا مکان موجود ہے'' کہ دیا جاتا ہے۔ عوام الناس چونکہ ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے اس عقیدہ کو عوامی ذہن کے پیش نظر ''اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے'' یا ''اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے'' سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

اہل السنۃ کے دلائل:

آیاتِ قرآنیہ:

1: وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللہِ (سورۃ البقرۃ:115)

ترجمہ: مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

2: وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (سورۃ البقرۃ:186)

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

فائدہ: عرش بعید ہے کیونکہ ہمارے اوپر سات آسمان ہیں، ان پر کرسی ہے، کرسی پر سمندر ہے، سمندر کے اوپر عرش ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی ج2 ص145)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱: اَللہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ۔ ۲: وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ۔ ۳: وَ کَانَ عَرْشُہُ عَلَی الْمَآءِ۔

3: یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللہِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ۔ (النساء:108)

ترجمہ: وہ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جبکہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں۔

4: اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ (ہود:61)

ترجمہ: بے شک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔

5: وَاِنِ اھْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْ اِلَیَّ رَبِّیْ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ (سبا:50)

ترجمہ: اور اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنتا بہت قریب ہے۔

6: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (سورہ واقعہ:85)

ترجمہ: تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔

7: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورہ ق:16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب توجیہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی عجیب توجیہ فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

"مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں، پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے۔ اور یہی حاصل تھا تمہارے ساتھ بنسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل و قال کی گنجائش نہیں۔"

(خطباتِ حکیم الامت: ج17 ص431 عنوان: اقربیت کا مفہوم)

8: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورہ حدید: 4)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو، وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

9: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۔

(سورہ المجادلۃ: 7)

ترجمہ: کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (اللہ) نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

10: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ (سورہ ملک: 16)

ترجمہ: کیا تم کو اس (اللہ تعالی) کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا۔

اعتراض: جب ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں معیت کا ذکر ہے تو غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس سے "معیت علمیہ" مراد ہے مثلاً وَهُوَ مَعَكُمْ ای عِلْمُهٗ مَعَكُمْ، اور اس پر دلیل یہ ایسی آیات پیش کرتے ہیں: "اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ الآیۃ (الحج: 70)"

جواب: اولاً..... معیت علمیہ لازم ہے معیت ذاتیہ کو، جہاں ذات وہاں علم، رہا غیر مقلدین کا "اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ" وغیرہ کی بناء پر یہ کہنا کہ اس سے علم مراد ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں ذات کی نفی کہاں ہے؟ بلکہ اثباتِ علم سے تو معیتِ ذاتیہ ثابت ہوگی بوجہ تلازم کے۔

ثانیاً..... غیر مقلدین سے ہم پوچھتے ہیں کہ جب "اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" یا "يَدُ اللّٰهِ" جیسی آیات کو تم ظاہر پر رکھتے ہو، تاویل نہیں کرتے تو یہاں "وَهُوَ مَعَكُمْ" [جس میں "ھو" ضمیر برائے ذات ہے] جیسی آیات میں تاویل کیوں کرتے ہو؟

احادیث مبارکہ:

1: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نُخَامَةً فِيْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّيْ بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ حِيْنَ انْصَرَفَ: اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ اَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهٖ فِي الصَّلٰوةِ۔

(صحیح البخاری ج1 ص104 باب ھل یلتفت لامر ینزل بہ الخ، صحیح مسلم ج1 ص207 باب النہی عن البصاق فی المسجد الخ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے قبلہ (کی جانب) میں کچھ تھوک دیکھا اس وقت آپ ﷺ لوگوں کے آگے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس کو صاف کر دیا۔ اس کے بعد جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جب کوئی شخص نماز میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے' لہذا کوئی شخص نماز میں اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے۔

2: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلٰى سَفَرٍ كَبَّرَ ثَلَاثًا قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا

هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، اَللّٰهُمَّ نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَنَا، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ الحدیث. (صحیح مسلم ج۱ص۴۳۴باب استحباب لذ کر اذا کب دابۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کہیں سفر پر جانے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے: پاک ہے وہ پروردگار جس نے اس جانور (سواری) کو ہمارے تابع کر دیا اور ہم اس کو دبا نہ سکتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔ یااللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی، پرہیز گاری اور ایسے کام جسے تو پسند کرے، کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کردے اور اس کی لمبان کو ہم پر تھوڑا کردے۔ یااللہ! تو رفیق ہے سفر میں اور محافظ ہے گھر میں۔

3: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ، قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِيْ عِنْدَهٗ؟

(صحیح مسلم ج2ص318باب فضل عیادۃ المریض، صحیح ابن حبان ص189، رقم الحدیث269)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ بندہ کہے گا میں آپ کی بیمار پرسی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ تو اللہ فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔ تجھے پتا ہے کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔

4: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

"اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔" (جامع الترمذی ج2ص14باب ماجاء فی رحمۃ الناس)

ترجمہ: "تم زمین والوں پر رحم کرو جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔"

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے، غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ صرف عرش پر ہے، اس سے باطل ہوگیا۔

5: عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنِ اشْتَكٰى مِنْكُمْ شَيْئًا اَوِ اشْتَكَاهُ اَخٌ لَّهٗ فَلْيَقُلْ: رَبُّنَا اللهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ، تَقَدَّسَ اسْمُكَ، اَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ، اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا، اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ، اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ فَيَبْرَأُ۔ (سنن ابی داؤد ج2ص187باب کیف الرقی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا کوئی دوسرا بھائی اس سے اپنی بیماری بیان کرے تو یہ کہے کہ رب ہمارا وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے۔ اے اللہ! تیرا نام پاک ہے اور تیرا اختیار زمین و آسمان میں ہے جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں رحمت کر۔ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔ تو پاک لوگوں کا رب ہے۔ اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفاء اس درد کے لیے نازل فرما کہ یہ درد جاتا رہے۔

6: عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ؓ يَقُوْلُ: بَعَثَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنَ الْيَمَنِ بِذُهَيْبَةٍ فِيْ اَدِيْمٍ مَقْرُوْظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا قَالَ فَقَسَمَهَا بَيْنَ اَرْبَعَةِ نَفَرٍ بَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ وَاَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ وَزَيْدِ الْخَيْلِ وَالرَّابِعِ اِمَّا عَلْقَمَةَ وَاِمَّا عَامِرِ بْنِ الطُّفَيْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ كُنَّا نَحْنُ اَحَقُّ بِهٰذَا مِنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: اَلَا تَأْمَنُوْنِيْ وَاَنَا اَمِيْنُ مَنْ فِي السَّمَاءِ يَاْتِيْنِيْ خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً الحدیث

(صحیح بخاری ج2ص624باب بعث علی بن ابی طالب الخ، صحیح مسلم ج1ص341باب اعطاء المولفۃ ومن یخاف الخ)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے حضرت علیؓ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کے پاس رنگے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں تھوڑا سا سونا بھیجا، جس

کی مٹی اس سونے سے جدا نہیں کی گئی تھی (کہ تازہ کان سے نکلا تھا) آپ ﷺ نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل اور چوتھے علقمہ یا عامر بن طفیل کے درمیان تقسیم کر دیا، آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم اس سونے کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟ حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔ میرے پاس صبح و شام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ عرش پر ہے اس سے باطل ہو گیا۔

:7 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں:

"لَوْ اَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ۔" (جامع الترمذی ج2 ص165 تفسیر سورۃ حدید)

ترجمہ: اگر تم ایک رسی زمین کے نیچے ڈالو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جائے گی۔

فائدہ: رسی کا زمین کے نیچے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا دلیل ہے کہ ذات باری تعالیٰ صرف عرش پر نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کا عقیدہ ہے بلکہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے۔

:8 حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے لوگ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَهٗ سَمِيْعًا قَرِيْبًا وَهُوَ مَعَكُمْ۔"

(صحیح مسلم؛ ج2 ص346 باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

ترجمہ: "اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے و غائب کو نہیں پکار رہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔"

فائدہ:

اگر قرب سے مراد "قرب علمی" ہوتا تو "قَرِيْبًا" کہنے پر اکتفاء ہو جاتا لیکن "وَهُوَ مَعَكُمْ" فرما کر "قرب ذاتی" کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اسی طرح اگر مراد صرف "قرب صفی" ہوتا تو "اَصَمَّ" کے بعد "وَلَا غَائِبًا" نہ فرماتے۔

:9 حضرت عبداللہ بن معاویہ ؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ سے پوچھا گیا:

"فَمَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! " قَالَ: اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَهٗ حَيْثُمَا كَانَ۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج4 ص95، 96 باب لا یاخذ الساعی؛ شعب الایمان للبیہقی ج3 ص187 باب فی الزکوۃ)

ترجمہ: آدمی کے اپنے نفس کا "تزکیہ" کرنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان یہ یقین بنا لے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

:10 عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ج6 ص287 رقم الحدیث 8796)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو یہ یقین بنا لے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

عقلی دلائل:

:1 اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے، خالق ازل سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟

2: حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے۔

ج: عرش سے کم ہوں گے۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا' اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی یعنی تقسیم لازم آئے گی (اور تجزی یعنی تقسیم جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے) اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا لازم آئے گا' جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

3: اللہ تعالیٰ خالق ہیں جو کہ غیر محدود ہیں، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو غیر محدود کا محدود میں سمانا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

4: اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

5: اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ہوگا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان مکین سے بڑا ہوتا ہے، اس عقیدہ سے "اللہ اکبر" والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

6: اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہتِ فوق لازم آئے گی اور جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی محدود کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود ہیں۔

7: حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

8: اگر اللہ تعالیٰ کو فوق العرش مانیں تو عرش اس کے لئے مکان ہوگا اور مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے اور مکین محاط ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں محاط نہیں' قرآن کریم میں ہے: "وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا۔" کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

مسلک اہل السنت پر اعتراضات کے جوابات:

اعتراض نمبر 1:

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانا جائے تو کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی موجود ہے؟ اگر کہیں کہ "نہیں" تو ہر جگہ ہونے کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر کہیں "ہے" تو اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

جواب نمبر 1: بعض چیزوں کو اجمالاً بیان کریں تو مناسب اور ادب ہے، اگر تفصیلات بیان کریں تو خلافِ ادب ہے مثلاً:

مثال نمبر 1: سسر اپنے داماد کو کہے: "میری بیٹی کے حقوق کا خیال رکھنا"، تو اجمالاً قول ہونے کی وجہ سے یہ ادب ہے لیکن اگر وہ تمام حقوق ایک ایک کر کے گنوانا شروع کر دے تو یہ خلاف ادب ہے۔

مثال نمبر 2: "سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کا خالق اللہ ہے" یہ کہنا ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک عضو کا نام لے کر یہی بات کہی جائے تو یہ خلافِ ادب ہے۔

اسی طرح "اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے" یہ اجمالاً کہنا تو مذکورہ قاعدہ کی رو سے درست اور ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک جگہ کا جس میں ناپسندیدہ جگہیں بھی شامل ہوں، نام لے کر کہا جائے تو یہ بے ادبی ہونے کی وجہ سے غلط ہوگا۔ لہذا ایسا سوال کرنا ہی غلط، نامناسب اور ناجائز ہے۔

جواب نمبر 2: یہ اعتراض تب پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو وجود بمعنی "جسم" کے ساتھ مانیں جیسے قرآن کریم کو بیت الخلاء میں لے کر جانا قرآن کی توہین اور بے ادبی ہے حالانکہ ہر حافظ جب بیت الخلاء جاتا ہے تو قرآن اس کے سینے میں موجود ہوتا ہے لیکن بے ادبی نہیں، کیونکہ قرآن جسم سے پاک ہے، ایسے ہی ہم اللہ تعالیٰ کا جسم ہی ثابت نہیں کرتے تو بے ادبی لازم نہیں آتی۔

جواب نمبر 3: رمضان مبارک کا مہینہ ہر جگہ مبارک ہے۔ اگر کوئی شخص پوچھے کہ بیت الخلاء میں رمضان ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر جگہ رمضان نہیں، اگر ہے تو بیت الخلاء میں بابرکت کیسے؟ تو اس کا یہ سوال لغو ہوگا کیونکہ جب رمضان کا جسم نہیں ہے تو ہر جگہ ماننے میں کوئی بے ادبی نہ ہوگی اور یہ ہر جگہ بابرکت ہوگا۔ اسی طرح جب اللہ کا جسم نہیں تو ہر جگہ ماننے میں بے ادبی نہیں۔

جواب نمبر 4: (از قلم: عباس خان) فرقہ سلفیہ کہتا ہے کہ اللہ کا علم ہر جگہ ہے تو کیا خیال ہے کہ باتھ روم میں بھی ہے، یہ اعتراض الثاان پر پڑتا ہے۔

اعتراض نمبر 2:

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانیں تو اس سے حلول اور اتحاد لازم آئے گا۔

جواب: حلول اور اتحاد تب لازم آئے گا جب اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانا جائے' جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔

فائدہ: دو چیزوں کا اس طرح یک ہونا کہ ہر ایک کا وجود باقی رہے "اتحاد" کہلاتا ہے جیسے آملیٹ اور دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ایک چیز کا وجود ختم ہوجائے "حلول" کہلاتا ہے جیسے شربت۔

جواب نمبر 2: (از قلم: عباس خان) کسی چیز میں حلول کرنا یا کسی چیز کے ساتھ اتحاد کرنا مخلوق کی صفت ہے اللہ مخلوق کی صفات سے پاک ہے۔
اور ان کے اس اعتراض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی جسم جیسی کوئی چیز مانتے ہیں جس کے متعلق کہا جائے کہ اگر یہاں ہے تو لازماً اتحاد ہوگا حلول ہوگا۔ یہ بھی اللہ کو نعوذ باللہ ایسا ہی خیال کرتے ہیں اس لئے یہ سوال اٹھاتے ہیں۔

غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات:

قرآنی آیات:

1: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ (سورہ حدید 4، سورہ رعد: 2، طٰہٰ: 5، سجدہ: 4)

جواب نمبر 1: اس کا معنی "عرش پر اللہ کا غالب ہونا" ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا معنی: "اَیْ عَلَا عَلَى الْعَرْشِ" (صحیح بخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء) نقل کیا ہے اور عربی زبان میں "استوی" بمعنی "غالب ہونا" استعمال ہوتا رہتا ہے۔ ایک شاعر نے بشر بن مروان کی مدح میں یہ شعر کہا تھا:

قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ
مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَّ دَمٍ مُّهْرَاقِ

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص153)

ترجمہ: بشر بن مروان نے بغیر جنگ اور خونریزی کے عراق پر غلبہ پالیا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فَلَمَّا عَلَوْنَا وَ اسْتَوَيْنَا عَلَيْهِمْ
جَعَلْنَاهُمْ مَرْعٰى لِنَسْرٍ وَّ طَائِرٍ

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات للبیہقی:ج2ص154)

ترجمہ: جب ہم ان پر چڑھ دوڑے اور ان پر غلبہ پالیا تو انھیں (ٹکڑے ٹکڑے کر کے) گدھوں اور پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔

اشکال: اگر کوئی کہے کہ عرش کی کیا تخصیص ہے، جب کہ اللہ تو آسمان، زمین اور دیگر مخلوقات پر بھی غالب ہے، تو عرش کو خاص کیوں کیا گیا؟

جواب: عرش کائنات کا مکانِ آخر ہے تو مکانِ آخر تک غلبہ بتانے کے لیے عرش کا ذکر کیا۔ جیسا ایک آدمی کے پاس سائیکل، موٹر سائیکل اور کار ہو تو وہ اپنی ملکیت اور مالی رتبہ بتانے کے لیے یہ کہے: "میرے پاس کار ہے" تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس سائیکل اور موٹر سائیکل رکھنے کی اہلیت نہیں۔

جواب نمبر 2: اگر استویٰ علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً عرش پر ہونا مراد لیں تو قرآن کریم کی بہت ساری ان آیات کا ان آیات سے تعارض لازم آتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے فوق العرش ہونے کی بجائے فی السماء یا ہر جگہ ہونے کا ذکر موجود ہے جیسے:

"وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" (سورہ البقرۃ:115)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے وہیں اللہ کا رخ ہے۔

"وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (سورہ ق:16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

"ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ" (سورۃ الملک:16) [کیا تم کو اس (اللہ تعالیٰ) کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا]

وغیرہ کا اس آیت سے تعارض لازم آتا ہے جبکہ قرآن کریم میں قطعاً تعارض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔" (سورۃ النساء:82)

ترجمہ: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

جواب نمبر 3: بہتر یہ ہے کہ جواب یوں دیا جائے کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور اس کا معنی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس پر کسی قسم کا اشکال نہ ہو گا اور آیات کا تعارض بھی لازم نہیں آئے گا۔

2: وہ تمام آیات جن سے اللہ تعالیٰ کا جہتِ علو یعنی جانبِ بلندی کی طرف ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً

1: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (سورہ فاطر:10)

ترجمہ: اسی کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے۔

جواب: یہ کنایہ حسنِ قبول سے ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر البیھقیؒ فرماتے ہیں:

صُعُوْدُ الْكَلِمِ الطَّيِّبِ وَالصَّدَقَةِ الطَّيِّبَةِ اِلَى السَّمَاءِ عِبَارَةٌ عَنْ حُسْنِ الْقُبُوْلِ لَهُمَا.

(کتاب الاسماء والصفات ج2ص168)

کلمات طیبہ اور صدقہ طیبہ کا آسمان کی طرف چڑھنا ان کے حسنِ قبول سے عبارت ہے۔

2: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (سورۃ الانعام:18)

ترجمہ: وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اللہ غالب تب ہو گا جب سب سے اوپر ہو۔

جواب: فوقیت سے مراد فوقیتِ حسی نہیں بلکہ فوقیتِ مرتبہ اور فوقیتِ قدرت ہے۔ دلیل اس پر "وَهُوَ الْقَاهِرُ" ہے جیسے غلام دوسری منزل پر اور آقا پہلی منزل پر ہو تو کہتے پھر بھی یہی ہیں کہ آقا اپنے غلام پر غالب ہے۔

3: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ (سورۃ الملک:16)

ترجمہ: کیاتم کو اس (اللہ) کا جو آسمانوں میں ہے، خوف نہیں رہا۔

جواب نمبر 1: مَنْ فِي السَّمَاءِ سے مَنْ عَظُمَ شَانُہٗ مراد ہے۔

جواب نمبر 2: اگر اس کا حقیقی معنیٰ ہی مراد لیں تو پھر بھی یہ غیر مقلدین کے موقف فوق علی العرش کے خلاف ہے۔

4: تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوحُ اِلَيْهِ (سورۃ المعارج:4)

جواب: محل امر مراد ہے کہ وہاں سے فرشتے امر لاتے ہیں۔

5: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (سورۃ النساء:158)

ترجمہ: بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

جواب: امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ نے اس آیت کی بہترین تفسیر اور مطلب بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"اَیْ اِلَی السَّمَاءِ وَاللّٰهُ تَعَالٰی مُتَعَالٍ عَنِ الْمَكَانِ۔" (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج2 ص12)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔

امام فخر الدین رازی فرقہ مُشبّہ (جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس آیت سے جہت ثابت کرتے ہیں) کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اَلْمُرَادُ الرَّفْعُ اِلٰی مَوْضِعٍ لَا یَجْرِیْ فِیْهِ حُكْمُ غَیْرِ اللّٰهِ۔" (تفسیر الفخر الرازی ج11 ص102 تحت قولہ تعالیٰ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ)

ترجمہ: "رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" سے مراد ایسے مقام کی طرف اٹھانا ہے جہاں غیر اللہ کا حکم نہیں چلتا۔

فائدہ: دنیا میں حقیقی اختیار ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اگر ظاہری اختیار بندے کا ہو تو نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے جیسے زکریا علیہ السلام کا مریم علیہا السلام کا کھانا دینا لیکن جو اللہ کی طرف سے ملے جس میں بندے کو اختیار نہیں تھا اس کو ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ فرمایا۔ دین میں کمی بیشی کا اختیار چونکہ بندے کے پاس نہیں، اس لیے فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ شہید کو جو بعد الموت رزق ملتا ہے اس میں بھی بندے کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا اس لئے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ﴾ فرمایا۔ عرف میں اگر کوئی آدمی اپنے گھر سے دوسرے شہر چلا جائے تو نسبت اس کی طرف ہوتی ہے، مثلاً فلاں بندہ لاہور یا کراچی چلا گیا، لیکن اگر کوئی بندہ دنیا کو چھوڑ کر قبر میں چلا جائے تو نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلا گیا ہے کیونکہ موت میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اور لاہور جانے میں ظاہری اختیار بندے کا ہے۔

احادیث مبارکہ:

1: حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ فرماتے ہیں:

كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ قِبَلَ اُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَاِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ عَنْ غَنَمِهَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ آدَمَ اٰسَفُ كَمَا يَاْسَفُوْنَ لٰكِنِّيْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و سلم فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَيَّ. قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا اُعْتِقُهَا؟ قَالَ: اِئْتِنِيْ بِهَا. فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا: اَيْنَ اللّٰهُ؟ قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ. قَالَ مَنْ اَنَا؟ قَالَتْ: اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. قَالَ: اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

(صحیح مسلم ج1 ص203، 204 باب تحریم الکلام فی الصلوۃ الخ)

ترجمہ: میری ایک باندی تھی، جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چراتی تھی۔ ایک دن میں وہاں آنکلا تو دیکھا کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا ہے۔ آخر میں بھی آدمی ہوں مجھ کو بھی غصہ آجاتا ہے۔ میں نے اس کو ایک طمانچہ مارا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے میرا یہ فعل بہت بڑا قرار دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس باندی کو آزاد نہ کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آو۔ میں آپ ﷺ کے پاس

لے کر گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے) تب آپ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کر دے اس لیے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

جواب نمبر 1: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ متناً مضطرب ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات ج2 ص164، تلخیص الحبیر للامام ابن حجرؒ ج3 ص223 کتاب الکفارات)

اور متن میں اضطراب وجہ ضعف ہوتا ہے۔

(تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص234)

جواب نمبر 2: اگر اس حدیث کو سنداً و متناً صحیح و قابلِ استدلال مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث خود غیر مقلدین کے خلاف ہے کیونکہ ان کا دعویٰ توفوق العرش ہونے کا ہے اور اس سے تو اللہ تعالیٰ کا "فی السماء" ہونا لازم آتا ہے۔

جواب نمبر 3: ہر آدمی بقدرِ عقل مکلف ہوتا ہے۔ باندی کا جواب واقع کے مطابق درست نہ تھا، لیکن اس میں عقل ہی اتنی تھی کہ جواب اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے اس کا ایماندار ہونا تسلیم کر لیا گیا۔ لہٰذا اس سے اللہ کے محض "فی السماء" ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کو موت آئی۔ جب اس کو زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے اپنے گھر والوں سے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میرے لیے بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ جلانا اور مجھے اس میں ڈال دینا، یہاں تک کہ جب آگ میرے گوشت کو کھا لے اور ہڈیوں تک پہنچ جائے تو تم ان ہڈیوں کو پیس لینا اور پھر مجھے (یعنی پسی ہوئی ہڈیوں کو) کسی گرم یا کسی تیز ہوا چلنے والے دن دریا میں ڈال دینا (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا)

فَجَمَعَهُ اللهُ فَقَالَ: لِمَ فَعَلْتَ؟ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ. فَغَفَرَ لَهٗ۔ (صحیح البخاری ج1 ص495 باب بلا ترجمہ، بعد باب حدیث الغار)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو جمع کر کے فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا تیرے خوف کی وجہ سے۔ پس خدا نے اس کو بخش دیا۔

اس روایت میں مذکور شخص کا خوفِ خدا کی وجہ سے ایسی خلاف شریعت وصیت کرنا اور پھر اس کے گھر والوں کا اس پر عمل کرنا، واقع میں اسے اللہ کے سامنے حاضری سے نہ بچا سکا، لیکن چونکہ اس میں عقل ہی اتنی تھی لہٰذا اس کا یہ عمل و عذر اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے قبول کر کے اسے بخش دیا گیا۔ یہاں بھی ایسی خلاف شریعت وصیت کرنے، اس پر عمل اور بوجہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

2: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"يَنْزِلُ اللهُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حَتّٰى يَمْضِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ."

(صحیح مسلم ج1 ص258 باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل الخ)

ترجمہ: ہر رات اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اوپر ہے۔

جواب نمبر 1: نزول سے مراد نزولِ رحمت ہے۔

جواب نمبر 2: اگر اس کا حقیقی معنی مراد ہو تو یہ تمہارے عقیدے کے خلاف ہے کیونکہ جب آسمان پر ہوں گے تو فوق العرش نہیں ہوں گے۔

عقلی دلائل:

۱: اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اسی لیے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم کلام ہونے کے لئے عرش پر بلایا۔

جواب: ہم کلام ہونے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلانا اگر عرش پر ہونے کی دلیل ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلانا اللہ تعالیٰ کے

کوہِ طور پر ہونے کی دلیل ہے اور ہر نمازی کا مسجد میں جا کر اللہ سے بات کرنا ہر مسجد میں ہونے کی دلیل ہے۔ کلامِ الٰہی تجلیٔ الٰہی کا نام ہے' چاہے اس کے ظہور کے لئے انتخاب عرش کا ہو یا کوہ طور کا ہو یا منصور حلاجؒ کی زبان کا ہو۔

۲ : بوقت دعا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھائے جاتے ہیں جو دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہیں لیکن تمام جہات کو محیط ہے' لیکن بندے کے قلبی استحضار کے لئے بعض اعمال کے لئے بعض جہات کا تعین فرما دیتے ہیں۔ جیسے نماز کے لئے جہت کعبہ کو قبلہ قرار دیا، دعا کے لئے جہتِ فوق کو قبلہ قرار دیا اور نہایت اعلیٰ درجہ کے قربِ الٰہی کے حصول کے لئے جہتِ ارض کو قبلہ قرار دیا اور قرآن مجید میں حکم دیا: "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ)

فائدہ: ہمارا نظریہ ہے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر سے لگنے والی مٹی کے ذرات کعبہ سے بھی اعلیٰ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ عظمت کا اظہار تجلیات الٰہیہ کے ظہور پر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر سب سے زیادہ تجلیاتِ الٰہیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے آپ علیہ السلام کے جسم کو لگنے والی مٹی عرش و کعبہ سے افضل ہے۔

اس پر غیر مقلدین یہ اعتراض کرتے ہیں:

اعتراض: اگر یہ ذرات کعبہ سے بھی اعلیٰ ہیں تو سجدہ کعبہ کی طرف نہ کرو بلکہ روضہ رسول ﷺ کی طرف منہ کر کے کرو۔

جواب نمبر 1: ہم کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ افضل ہی کو قبلہ بنایا جائے۔ اگر آپ کا یہی اصول ہے تو آپ کے ہاں عرش کعبۃ اللہ سے افضل ہے تو آپ نماز میں اپنا منہ عرش کی طرف کیوں نہیں کر لیتے؟؟

جواب نمبر 2: کعبہ مرکز عبادت اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرکز عقیدت۔

۳ : اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کے لئے عموماً اوپر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب نمبر 1: اللہ تعالیٰ جہاتِ ستہ سے اگرچہ پاک ہیں' لیکن تمام جہات کو محیط بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (سورۃ النساء:126) [اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے] اور جہاتِ ستہ میں سے جہتِ علو کو باقی جہات پر عقلاً فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے علوِ مرتبہ اور تعظیم کا خیال کرتے ہوئے اشارہ اوپر کیا جاتا ہے۔ جیسے استاذ کی آواز دورانِ سبق تمام جہات کی طرف منتقل ہوتی ہے لیکن استاد کے سامنے بیٹھ کر آواز کو سننا ادب ہے اور پیچھے بیٹھ کر سننا بے ادبی ہے۔

جواب نمبر 2: اللہ اوپر نہیں بلکہ "محل امر" اوپر ہے۔ بہرحال اس کی توجہ محل امر کی طرف ہے اور محل امر چونکہ اوپر کی طرف ہے اس لیے اشارہ بھی اوپر ہے۔

فائدہ:

یہاں چند ایک عبارات نقل کرنا ضروری ہے جن کی بنیاد پر یہ سمجھا گیا ہے کہ "معیت" سے مراد "معیت ذاتیہ" ہے۔

[۱] : مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی حفظہ اللہ رئیس دارالعلوم کراچی نے فرمایا:

"اللہ رب العزت کی ذات تو ایسی عظیم ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ کسی خاص مقام تک محدود نہیں ہے، کعبہ بیت اللہ ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر موجود ہے اس کے سوا کہیں اور موجود نہیں، ایسا نہیں بلکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾

تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

یعنی تم جہاں بھی ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اس وقت بھی ساتھ ہے، تمہارے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی۔ اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (سورۃ ق، آیت نمبر ۱۶)

اور ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

انسان کی شہ رگ کتنی قریب ہوتی ہے، جسم کا حصہ ہے لیکن فرمایا کہ ہم ہر انسان کے اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس تو لامحدود ہے وہ کسی خاص مکان کے ساتھ محدود نہیں ہے، کسی خاص مکان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ چنانچہ عرش پر بھی ہے، آپ کے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی، ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر جگہ ہے۔ مدینہ میں بھی ہے اور مکہ میں بھی۔ ہر آسمان پر ہے عرش پر بھی ہے اور کرسی پر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے تو اس لحاظ سے ہر جگہ ہی افضل ہے۔"

(ماہنامہ البلاغ: ربیع الاول ۱۴۳۴ھ / فروری ۲۰۱۴ء ص21 خطاب حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی)

[۲] : حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے معیت و قربِ خداوندی کے بارے میں سوال کیا، جس کا آپؒ نے جواب دیا۔ سوال و جواب کا عبارت من عن نقل کی جاتی ہے۔

"مسئلہ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَقَالَ :وَهُوَ مَعَكُمْ الآية فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ الْقُرْبَ بِاعْتِبَارِ الذَّاتِ وَالْوَصْفِ وَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ اِنَّ الْقُرْبَ بِحَسْبِ الْوَصْفِ فَقَطْ. فَاَىُّ الْحِزْبَيْنِ عَلَى الصَّوَابِ وَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ عَلَى الْحَقِّ ؟ وَاِنْ كَانَ اللّٰهُ قَرِيْبًا بِالذَّاتِ ؛هَلْ يَقْرُبُ مَعَ كَوْنِ اسْتِوَائِهٖ عَلَى الْعَرْشِ اَمْ لَا ؟ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ بِالْقُرْبِ الْوَصْفِيِّ يَدَّعُوْنَ بِالْقَائِلِيْنَ بِالْقُرْبِ الذَّاتِيِّ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِقَوْلِهِمْ بِالْقُرْبِ الذَّاتِيِّ .هَلْ يَجُوْزُ نِسْبَةُ الْكُفْرِ اِلٰى مَنْ قَالَ اِنَّ الْقُرْبَ ذَاتِيٌّ اَمْ لَا ؟

الجواب: لَمَّا كَانَ الْمُتَبَادَرُ عِنْدَ الْعَامَّةِ مِنَ الْمَعِيَّةِ الذَّاتِيَّةِ هِىَ الْمَعِيَّةُ الْجِسْمَانِيَّةُ اَبْطَلَهَا الْعُلَمَآءُ وَ كَفَّرَ بَعْضُهُمُ الْقَائِلِيْنَ بِهَا، وَلَوْ اُرِيْدَ بِهَا الْمَعِيَّةُ غَيْرُ الْمُتَكَيِّفَةِ فَلَا مَحْذُوْرَ فِى الْقَوْلِ بِهَا، وَالْاِمْتِنَاعَ فِى اجْتِمَاعِهَا بِالْاِسْتِوَاءِ لِاَنَّ الذَّاتَ لَيْسَتْ بِمُتَنَاهِيَةٍ وَالْمَعِيَّةُ لَيْسَتْ بِمُتَكَيِّفَةٍ ،وَمَنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اعْتِقَادِهَا بِلَا كَيْفِيَةٍ فَالْاَسْلَمُ لَهٗ اَنْ يَّقُوْلَ بِالْمَعِيَّةِ الْوَصْفِيَّةِ (اى العلمية) فَقَطْ ،وَبِهٰذَا التَّقْرِيْرِ خَرَجَ الْجَوَابُ مِنْ كُلِّ سُوَالٍ وَارْتَفَعَ كُلُّ اِشْكَالٍ .وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ عَنْ كُلِّ مَكَانٍ وَخَيَالٍ"

(بوادر النوادر از حضرت تھانویؒ ص50،51)

ترجمہ: مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قرب فقط وصف کے اعتبار سے ہے۔ ان میں سے کس کا موقف درست ہے اور کون حق پر ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ بالذات قریب ہو تو کیا عرش پر مستوی ہوتے ہوئے قریب ہو گیا نہیں؟ پھر جو لوگ قربِ وصفی کے قائل ہیں وہ قرب ذاتی کے قائلین کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ قربِ ذاتی کے قول کی وجہ سے کافر ہیں۔ تو جس شخص نے کہا کہ قرب ذاتی ہے' کیا اس شخص کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ "معیت ذاتیہ" کہنے سے عوام کا ذہن فوراً "معیتِ جسمانیہ" کی طرف جاتا ہے اس لیے علماء نے ایسا کہنے سے روک دیا اور بعض علماء نے معیتِ ذاتیہ کے قائلین کو کافر تک کہہ دیا اور اگر معیت ذاتیہ سے مراد "معیت بلا کیف" لی جائے تو اس نظریہ کا قائل ہونے میں کوئی حرج نہیں، اور معیتِ غیر متکیفہ کو استواء (علی العرش) کے ساتھ جمع کرنا ممتنع بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ متناہی نہیں اور معیت متکیفہ نہیں، اور جو شخص معیت بلا کیفیت کے اعتقاد پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ معیتِ وصفیہ، یعنی علمیہ کا قائل ہو جائے۔ اس تقریر سے سارے سوال ختم ہو گئے اور سارے اشکالات حل ہو گئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بڑا ہے اور ہر مکان اور خیال سے پاک ہیں۔

[۳] : حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

’’آگاہ ہو کہ فوق العرش کا ظہور تجھے وہم میں نہ ڈالے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا مقام وقرار عرش کے اوپر ہے اور جہت ومکان اس کے لئے ثابت ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ وَعَمَّا لَا يَلِيْقُ بِجَنَابِ قُدُسِهٖ تَعَالٰى (اللہ تعالیٰ کی پاک ذات ایسی باتوں سے جو اس کے لائق نہیں ہیں، برتر اور بلند ہے)‘‘

(مکتوبات امام ربانیؒ: ج2 ص53)

مزید فرماتے ہیں:

’’اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش کے اوپر جانیں اور فوق کی طرف ثابت کریں۔ کیونکہ عرش اور اس کے ماسوا سب کچھ حادث اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ مخلوق وحادث کی کیا مجال ہے کہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔‘‘

(مکتوبات امام ربانیؒ: ج2 ص225)

[۴] : قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

’’حق تعالیٰ باوجود وراء الوراء کے قریب عبد کے ہے ’’وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ‘‘ ایسے تشاویش کی ضرورت نہیں اور ’’مَعَكُمْ‘‘ علم سے معیت تعبیر کرنا کچھ حاجت نہیں ’’هُوَ‘‘ ضمیر ذات ہے جہاں علم وہاں ذات۔ پس تکلف کی کیا حاجت ہے؟ حق تعالیٰ فوق، تحت سے بری ہے۔ فوق اور تحت اور ہر جا موجود ہے عروج روح وقلب کا فوق کی جانب اس خیال سے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ فوق العرش ہے۔ نہیں سب جگہ ہے قلب مومن کے اندر بھی ہے پس فوق کا خیال مت کرو۔‘‘ (مکاتیب رشیدیہ ص42)

[۵] : حضرت مولانا محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’خدا ہر جگہ موجود ہے۔‘‘

(ملفوظات فقیہ الامت: ج2 ص14)

[٦] : عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’بس ایک بات عرض کرتا ہوں، بعض لوگ مخلوق کے سامنے گناہ سے بچتے ہیں، دو چار دوست بیٹھے ہوں ہاں ان کے سامنے گناہ نہیں کرتے کیونکہ مخلوق کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے یا مخلوق ان سے انتقام لے سکتی ہے، لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ جس خلوت اور تنہائی میں انسان گناہ کرتا ہے اس وقت خدا اس کے ساتھ ہے یا نہیں؟ تو مخلوق زیادہ طاقتور یا خالق زیادہ طاقتور ہے؟ بڑی طاقت کے سامنے تو گنا کرتے خوف نہ لگا اور کمزور مخلوق کے ڈر سے گناہ چھوڑ رہا ہے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ جہاں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اتنی عظیم الشان والا ہمارے، آپ کے حجروں اور کمروں میں ساتھ ہے، کوٹھڑیوں میں ساتھ ہے، لیکن انسان کی فطرت دیکھیے کہ چند انسان اس کو دیکھ رہے ہوں تو وہاں گناہ سے بچتا ہے اور پھر گناہ کے لیے تنہائی تلاش کرتا ہے، راستے بند کرتا ہے، دروازے بند کرتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے لیکن وہ ذات پاک جو مخلوق سے بے شمار گنا عظیم الشان اور عظیم القدرۃ ہے وہ وہیں ساتھ میں ہے، وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔

(اہل اللہ اور صراط مستقیم، سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر 21، ص11،12)

[۷] : شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سورۃ البقرۃ آیت نمبر 115 کی تشریح میں لکھتے ہیں:

’’مشرق ومغرب سب اللہ کی مخلوق اور اس کی تابع فرمان ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دے بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔‘‘

(آسان ترجمہ: ج1 ص90)

اسماء باری تعالیٰ:

اسماء باری دو قسم پر ہیں۔ [۱]: ذاتی [۲]: صفاتی

چند فوائد:

فائدہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کو ''اسماءِ حسنیٰ'' کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2: قرآن و حدیث میں وارد تمام اسماءِ الٰہیہ کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اور جو اسماء قرآن و حدیث میں وارد نہیں امام ابو الحسن اشعریؒ کے نزدیک ان کا استعمال ذاتِ باری کے لئے ناجائز ہے' جبکہ امام فخر الدین رازیؒ اور امام غزالیؒ کے نزدیک ذاتِ باری کے لئے ان کا استعمال بطورِ اسم کے ناجائز اور بطورِ وصف کے جائز ہے مثلاً ''یَا قَدِیْمُ'' نہیں کہہ سکتے البتہ ''اَللّٰهُ قَدِیْمٌ'' کہہ سکتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: ہر زبان میں ذاتِ باری کے لئے ذاتی نام مقرر ہے۔ ان کا استعمال اسی زبان میں ذات باری کے لئے جائز ہے۔ جیسے اردو اور فارسی میں ''خدا'' اور انگریزی میں ''God'' (بڑی G کے ساتھ) البتہ کفار میں ذات باری کے لئے استعمال ہونے والے اسماء کے بارے میں جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ ذاتی ہیں یا صفاتی یا صفات میں سے کس صفت کی ترجمانی کرتے ہیں' اس وقت تک اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔ جیسے فارسی میں ''اہرمن'' اور ''یزدان''۔ ''اہرمن'' کا معنیٰ ''خیر کا خدا'' اور ''یزدان'' کا معنیٰ ''شر کا خدا''

فائدہ نمبر 4: حدیث ابوہریرہؓ: ''اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی تِسْعَةً وَتِسْعِیْنَ اسْمًا، مِائَةً اِلَّا وَاحِدَةً، مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (جامع الترمذی ج 2 ص 190 کتاب الدعوات) میں وارد تمام اسماءِ حسنیٰ کا حصر نہیں بلکہ ننانوے ناموں کا تذکرہ بطورِ فضیلت کے ہے' یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے اسماء کو یاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے جنت عطا فرمائیں گے۔

فائدہ نمبر 5: ننانوے اسماءِ حسنیٰ:

''هو الله الذی لا اله الا هو الرَّحمٰن الرَّحیم المَلِكُ القُدُّوس السَّلام المؤمن المُهَیْمِن العزیز الجبَّار المتَكَبِّر الخالق البارئ المصوِّر الغفَّار القهَّار الوهَّاب الرزَّاق الفتَّاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المُعِزُّ المُذِلُّ السمیع البصیر الحَكَم العَدْل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشكور العَلِیُّ الكبیر الحفیظ المُقِیْت الحسیب الجلیل الكریم الرقیب المُجیب الواسع الحكیم الوَدُود المجید الباعث الشهید الحَقُّ الوكیل القَوِیُّ المتین الوَلِیُّ الحمید المُحصِی المُبْدِئُ المُعِید المُمِیْت الحَیُّ القَیُّوم الواجد الماجد الواحد الاَحد الصَّمَد القادر المُقْتَدِر المُقَدِّم المُؤَخِّر الاول الآخِر الظاهر الباطن الوالی المُتَعَالی البَرُّ التوَّاب المُنْتَقِم العَفُوُّ الرَّؤُف مالكُ الملك ذو الجلال والاكرام المُقْسِط الجامع الغَنِیُّ المُغْنِی المانع الضارُّ النافع النور الهادی البدیع الباقی الوارث الرشید الصبور۔''

فائدہ نمبر 6: بواسطہ اسماءِ حسنیٰ دعائے مستجاب کا مجرّب طریقہ:

گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر سورہ حشر کا آخری رکوع ﴿یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ الآیة﴾ پڑھیں اور جب ﴿مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ پڑھ چکیں تو اپنی مشکل کا نام لے کر یوں دعا مانگیں ''یا اللہ! میری یہ مشکل میرے لئے پہاڑ ہے۔ اپنی قدرت، طاقت اور اس تلاوت کی برکت سے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ فرما دے'' اور جب ﴿لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی﴾ پڑھ چکے تو ننانوے اسماءِ حسنیٰ کو پڑھے، دل میں اپنی مراد کا تصور کرے اور رکوع کے اختتام پر گیارہ بار درود شریف پڑھے، پھر اپنی مراد مانگے۔

فائدہ نمبر 7: اسماءِ حسنیٰ کو ''یا'' حرفِ ندا اور بغیر حرفِ ندا کے' دونوں طرح پڑھنا بلا کراہت درست اور جائز ہے۔

فائدہ 8: اسمائے حسنی میں سے کون سے اسماء بندوں کے لیے استعمال کے جاسکتے ہیں۔

اس بارے میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی تحقیق نہایت ہی قابل قدر ہے اور ہماری نظر میں اہل علم حضرات کے لیے کافی وافی ہے فتاویٰ عثمانی سے من وعن نقل کی جاتی ہے۔

''سوال: آج کل عموماً باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ ''عبد'' کے اضافے کے ساتھ نام رکھے جاتے ہیں، مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمّٰی کو بدون ''عبد'' کے پکارا جاتا ہے، حالانکہ بعض اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً عبد الرزاق وغیرہ، اندریں احوال اپنی جستجو کے مطابق فیض الباری ج:۴ص:۴۲۳ سے اسمائے حسنی درج کر رہا ہوں، تحقیق فرمائیں کہ کون سے اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، کہ ان کو بدون ''عبد'' کے مخلوق کے لیے استعمال کرنا گنا کبیرہ ہے، اگر ان کے علاوہ اور کوئی اسماء ہوں تو وہ بھی درج فرمائیں مع تحقیق کے نیز اسماء کے شروع یا آخر میں ''محمد'' یا ''احمد'' یا ''اللہ'' کا اضافہ کیسا ہے؟ مثلاً محمد متکبر، خالق احمد، محمد اللہ، احمد رزاق۔

الله ، الرحمن ،الرحيم، الملك، القدوس، السلام، المؤمن المهيمن ،العزيز، الجبار ،المتكبر، الخالق، البارئ، المصور، الغفار، القهار ،التواب، الوهاب ،الخلّاق،الرزاق، الفتاح ،الحليم ،العليم ،العظيم ،الواسع، الحكيم ،الحی، القيوم، السميع ،البصير، اللطيف،الخبير ،العلی ،الكبير ،المحيط ،القدير ،المولیٰ،النصير ،الكريم ،الرقيب،القريب،المجيب،الحفيظ ،المقيت،الودود،المجيد،الوارث،الشهيد،الولی،الحميد،الحق،المبين،الغنی، المالك،القوی، المتين،الشديد، القادر، المقتدر ،القاهر ،الكافی،الشاكر، المستعان،الفاطر، البديع،الفاخر ،الاول، الآخر، الظاهر، الباطن،الكفيل، الغالب، الحكم، العالم،الرفيع،الحافظ، المنتقم، القائم، المحيی، الجامع، المليك، المتعالی ،النور ، الهادی، الغفور ،الشكور ،العفو، الرؤوف، الا كرام ، الاعلیٰ، البر، الخفی، الرب الاله، الاحد، الصمد، الذی لم يلد، ولم يولد، ولم يكن له كفوا احد۔

جواب: کسی کتاب میں یہ تفصیل تو نظر سے نہیں گزری کہ کون کون سے اسمائے حسنیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں، اور کون سے اسماء کا اطلاق دوسروں پر ہو سکتا ہے، لیکن مندرجہ ذیل عبارتوں سے اس کا ایک اصول معلوم ہوتا ہے:۔

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں: '' وَذَكَرَ غَيْرُوَاحِدٍ مِنَ الْعُلَمَآءِ اَنَّ هٰذِهِ الْاَسْمَاءَ...تَنْقَسِمُ قِسْمَةٌ اُخْرٰی اِلٰی مَا لَايَجُوْزُاِطْلَاقُهٗ عَلٰی غَيْرِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی كَاللّٰهِ وَالرَّحْمٰنِ وَمَا يَجُوْزُ كَالرَّحِيْمِ وَالْكَرِيْمِ '' (روح المعانی ج:9ص123 طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور)

اور رد مختار میں ہے:

''وَجَازَ التَّسْمِيَّةُ بِعَلِيٍّ وَرَشِيْدٍ مِنَ الْاَسْمَآءِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُرَادُ فِیْ حَقِّنَا غَيْرُ مَا يُرَادُ فِیْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ وَفِیْ رَدِّ الْمُحْتَارِ: اَلَّذِیْ فِی التَّاتَرْخَانِيَّةِ عَنِ السِّرَاجِيَّةِ التَّسْمِيَّةُ بِاسْمٍ يُوْجَدُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی كَالْعَلِيِّ وَالْكَبِيْرِ وَالرَّشِيْدِ وَالْبَدِيْعِ جَائِزَةٌ الخ''

(شامی ج:5ص:268)

وَفِی الْفَتَاوٰی الْهِنْدِيَّةِ: اَلتَّسْمِيَّةُ بِاسْمٍ لَمْ يَذْكُرْهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ عِبَادِهٖ وَلَا ذَكَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَااسْتَعْمَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ تَكَلَّمُوْا فِيْهِ، وَالْاَوْلٰی اَنْ يَفْعَلَ كَذَا فِی الْمُحِيْطِ۔ (فتاویٰ عالمگیریہ ص:362 حظر واباحت باب22)

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اسماء حسنیٰ میں بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو قرآن و حدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ

تعالیٰ کے کسی اور کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا الحادِ مذکور میں داخل اور ناجائز وحرام ہے۔ (معارف القرآن ج:۴ ص:۱۳۲ سورہ اعراف:۱۸۰)

ان عبارتوں سے اس بارے میں یہ اصول مستنبط ہوتے ہیں۔

نمبر 1: وہ اسمائے حسنیٰ جو باری تعالیٰ کے اسم ذات ہوں یا صرف باری تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کے معنی ہی میں استعمال ہوتے ہوں، ان کا استعمال غیر اللہ کے لیے کسی حال جائز نہیں، مثلاً: اللہ، الرحمٰن، القدوس، الجبار، المتکبر، الخالق، الباریٔ، المصور، الرزاق، الغفار، القہار، التواب، الوہاب، الخلاق، الفتاح، القیوم، الرب، المحیط، الملیک، الغفور، الاحد، الصمد، الحق، القادر، المحیی۔

نمبر 2: وہ اسمائے جو باری تعالیٰ کی صفات خاصہ کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیا جا سکتا ہو، ان میں تفصیل یہ ہے

کہ اگر قرآن وحدیث، تعاملِ امت یا عرفِ عام میں ان اسماء سے غیر اللہ کا نام رکھنا ثابت ہو تو ایسا نام رکھنے میں مضائقہ نہیں، مثلاً: عزیز، علی، کریم، رحیم، عظیم، رشید، کبیر، بدیع، کفیل، ہادی، واسع، حکیم وغیرہ اور جن اسماءِ حسنیٰ سے نام رکھنا نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور نہ مسلمانوں میں معمول رہا ہو، غیر اللہ کو ایسے نام دینے سے پرہیز لازم ہے۔

نمبر 3: مذکورہ دو اصولوں سے اصول خود بخود نکل آیا کہ جن اسمائے حسنیٰ کے بارے میں یہ تحقیق نہ ہو کہ قرآن وحدیث، تعاملِ امت یا عرف میں وہ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں یا نہیں؟ ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز لازم ہے، کیونکہ اسمائے حسنیٰ میں اصل یہ ہے کہ ان سے غیر اللہ کا نام رکھنا جائز نہ ہو، جواز کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

ان اصولوں پر تمام اسمائے حسنیٰ کے بارے میں عمل کیا جائے، تاہم یہ جواب چونکہ قواعد سے لکھا ہے اور ہر ہر نام کے بارے میں اسلاف کی کوئی تصریح احقر کو نہیں ملی، اس لیے اگر اس میں دوسرے اہل علم سے بھی استصواب کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

(فتاویٰ عثمانیہ ص52،53)

فائدہ نمبر 9: مسئلہ صفات کو دلائل کے ساتھ سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

1: کتاب الاسماء والصفات۔ امام بیہقیؒ
2: دفع شبہ التشبیہ۔ امام ابن جوزیؒ
3: ایضاح الدلیل۔ بدر الدین ابن الجماعۃؒ
4: المسامرہ مع المسایرہ۔ ابن الہمامؒ
5: اشارات المرام۔ امام بیاضیؒ
6: شرح المقاصد۔ علامہ تفتازانیؒ
7: شرح مواقف۔ میر سید شریف جرجانیؒ
8: اتحاف الکائنات۔ شیخ محمود سبکیؒ
9: مقالات الکوثری۔ شیخ زاہد الکوثریؒ
10: اساس التقدیس۔ امام فخر الدین الرازیؒ
11: تمہید الفرش فی تحدید العرش۔ مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ